جناب بہرہ مند

سرمایہ دارانہ نظام اپنے انجام کے قریب

ایک فیصد سرمایہ دارانہ طبقے کیخلاف دنیا بھر میں بگل بج چکا ہے کیا یہ تبدیلی کا پیش خیمہ ہے

''وال سٹریٹ پر قبضہ کرو'' کی تحریک بنیادی طور پر عربوں کی اب رائزنگ تحریک سے متاثر نظر آتی ہے خصوصاً مصر کے تحریر چوک کی طرز پر اس تحریک کیلئے نیویارک کے ''زوکوٹی پارک'' کو منتخب کیا گیا ہے۔ اس تحریک میں شامل احتجاجی مظاہرین سماجی اور معاشی تفریق کے خلاف سڑکوں پر نکلے ہیں اس کیساتھ ساتھ چند افراد یا اداروں کی طرف سے دولت کمانے کے اندھے لالچ کا بھی یہ مظاہرین خاتمہ چاہتے ہیں۔

بڑی کمپنیوں کی معاشیات کے میدان میں اجارہ داری کو یہ مظاہرین اپنے معاشی مسائل کی بڑی وجہ قرار دے رہے ہیں اسکے علاوہ مظاہرین یہ بھی سمجھتے ہیں کہ معاشیات کے میدان کے یہ طاقت ور کھلاڑی حکومتوں پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس تمام پس منظر میں نو اکتوبر کو امریکہ کے مختلف شہروں میں مظاہرے شروع ہوئے جو دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے ستر بڑے شہروں تک پھیل گئے صرف امریکہ میں 600 مقامات پر اس تحریک کے تحت مظاہرے کئے گئے۔

آ.کیو پاؤ وال اسٹریٹ تحریک زوکوٹی پارک سے چند سو نوجوانوں نے شروع کی تھی۔

اگرچہ یہاں دنیا کی اس سب سے پرانی جمہوریت میں کوئی ضیاء الحق تخت نشیں نہیں ہے لیکن ہزاروں امریکی بہر حال اس ایک مربع میل میں اقتصادی مارشل لاء کے خلاف جدوجہد کرنے نکلے ہیں جسے میں سرمایہ داروں کا سوویت یونین کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

آ کیو پاؤ وال اسٹریٹ مہم گزشتہ ماہ 17 ستمبر کو کینیڈا کے جریدے 'ایڈ بسٹر' کی اپیل پر امریکہ کی وال سٹریٹ کیساتھ والے زوکوٹی پارک سے چند سو نوجوان نے شروع کی تھی اب نیویارک سمیت امریکہ کے آٹھ سو چھوٹے بڑے شہروں میں یہ مہم پھیل چکی ہے۔ بلکہ اب تو اگر اسے شمالی امریکہ سے اٹھنے والی تحریک کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا کیونکہ اب یہ کینیڈا کے شہروں ٹورنٹو اور وینکوئر تک پہنچ چکی ہے۔

'آ کیو پاؤ وال اسٹریٹ' تحریک کا نہ تو کوئی تنظیمی ڈھانچہ ہے، نہ اسے کسی پارٹی کا ٹھپہ اور نہ اسکا ایجنڈا یا

مطالبات کی فہرست ہے۔ یہ تحریک امریکہ میں بقول ان لوگوں کے کارپوریٹ لالچ اور امیر غریب کے درمیان ہونے والی خلیج کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا امریکہ میں طبقاتی جنگ کا بگل بج چکا ہے؟

اس کا جواب شاید اتنا آسان نہیں لیکن یہ لوگ موجودہ اقتصادی نظام کی جگہ ایک نئے سماجی آرڈر کی بات ضرور کررہے ہیں۔ یہ امریکہ کے بے تاج شہزادے اور شہزادیاں اقتصادی جبر کے خلاف اٹھ کر آئے ہیں جنھیں شروع میں تو دو ہفتوں تک امریکی مین اسٹریم الیکٹرانک پرنٹ میڈیا نے جگہ نہیں دی یہاں تک کہ وال اسٹریٹ جرنل، جو کہ زیادہ تر وال اسٹریٹ اور دنیا کے معاشی سیاسی امور کو کور کرتا ہے اس میں بھی یہ امریکی نوجوان دو کالمی خبر نہیں بن سکے تھے۔ لیکن اب وال اسٹریٹ تحریک والوں نے امریکہ سمیت دنیا بھر کی نامور اور نیک نام شخصیات کو اپنی طرف کھینچا ہے۔

اس تحریک نے مسیٹیزن جرنلزم ایجاد کی ہے جس کا مطلب ہے کہ اپنے کیمروں اور موبائل فون پر تصاویر اور خبریں آپ اپنے فیس بک یا آکیوپاؤ وال اسٹریٹ کی ویب سائٹ پر پوسٹ کرسکتے ہیں۔

امریکہ میں بائیں بازو نظریات کے حامی پروفیسر نوم چومسکی جنہوں نے امریکہ کی موجودہ اقتصادی صورتحال کو ''بیروزگاری کا بڑا بحران'' قرار دیا ہے انہوں نے وال اسٹریٹ تحریک کو امریکہ تاریخ کا ایک انتہائی غیر معمولی اور امید افزا واقعہ قرار دیا ہے۔

کیا آپ لوگ بائیں بازو نظریات کے حامی ہو، میرے ایک صحافی دوست نے اپنی نظریاتی تشفی کیلئے زوکوٹی پارک میں دھونی رمائے ان نوجوان سے پوچھا تو ان کا کہنا تھا، نہیں ہم لوگ کسی بازو کے نہیں۔

وال اسٹریٹ تحریک والوں کیساتھ زوکوٹی پارک میں آکر یکجہتی کا اظہار وحمایت کرنے والوں میں کئی سرکردہ شخصیات شامل ہیں جن میں فلم ساز مائیکل مور، نوبل انعام یافتہ امریکہ ماہر جوزف اسٹگلٹز، اداکارہ سومن سارا ڈون، امریکی ریپ سنگر کینی ویسٹ، ہپ ہاپ بزنس دنیا کے کروڑ پتی رسل سائمنس شامل ہیں۔ جبکہ وال اسٹریٹ کی حمایت کرنے والوں میں لکھاری وناول نگار سلمان رشدی اور پولینڈ کے نوبل انعام یافتہ رہنما لیچ ویلسا بھی شامل ہیں۔ امریکہ کی سب سے بڑی مزدور یونینوں کی چھتری تنظیم امریکن فیڈریشن آف لیبر (اے ایف ایل۔ سی آئی او) نے بھی ان کیساتھ مظاہروں میں شامل ہوکر انکی حمایت کا اظہار کیا ہے۔ امریکی صدر باراک اوبامہ نے بھی ان نوجوانوں کو ''حق پر'' قرار دیا ہے۔

ان مظاہرین کی سب سے متاثر کن بات انکا مکمل طور پرامن ہونا ہے میڈیا ان احتجاجی نوجوانوں کا کھڑکی توڑ تصور دیکھنا چاہتی ہوگی لیکن یہ انیس سو ساٹھ کی دہائی کی سول حقوق کی تحریک کی یاد دلاتے ہیں۔

2011ء کے وسط میں کینیڈا سے تعلق رکھنے والا Adbusters Media Foundation نے جمہوری نظام پر مالیاتی اداروں کے تسلط کے خلاف پرامن احتجاج کی تجویز دی جس کا مقصد دولت کی غیر منصفانہ تقسیم اور

معاشی ناانصافی کے باعث عالمی معاشی بحران کا تدارک کرنا تھا۔ مذکورہ فاؤنڈیشن کے مطابق یہ آئیڈیا ان کے ایک ای میل میں دیا گیا تھا جسے دنیا بھر کے لوگوں نے اپنالیا اسکے بعد مظاہرین نے ایک پوسٹر تیار کیا جس میں وال سٹریٹ کے موٹو "بیل" پر ایک ڈانسٹر کو دکھایا گیا اس کیساتھ ساتھ ہی اس پوسٹر پر لکھ دیا گیا "ہم صرف ایک مطالبے سے اپنی تحریک شروع کررہے ہیں کہ ایک صدارتی کمیشن کے ذریعے پیسے کو سیاست سے الگ کیا جائے۔ ہم امریکہ کیلئے ایک نیا ایجنڈا دینے جارہے ہیں"۔ گمنام سماجی کارکنوں نے اپنے رضا کاروں کو بھی ترغیب دی کہ وہ اس احتجاج میں شرکت کریں جس کے باعث ان مظاہروں کی طرف لوگ متوجہ ہوتے رہے۔ مین ہٹن میں لوگ خیمہ، کچن، آلات ساتھ لے کر وال سٹریٹ پر پرامن قبضہ کرنے پہنچ گئے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ امریکہ میں لاہمان برادرز بینک Lehmen Brothers کے دیوالیہ ہونے کے تین برس بعد یہ تحریک شروع کی گئی۔ اس سلسلے میں فاؤنڈیشن کے ایک اہلکار کا کہنا ہے کہ جب معاشی بدحالی ظاہر ہونے لگی تو یہ محسوس کیا جارہا تھا کہ تبدیلی آرہی ہے۔ اوبامہ ہر قسم کے قوانین پاس کررہے ہیں اور ہمیں ایک نیا بینکاری نظام ملے گا جس کے بعد ہم لوگ معاشی دھوکہ بازوں کو انصاف کے کٹہرے میں لاکھڑا کر دیں گے۔ یہ اس قسم کی سوچ تھی کہ ہم نے ایک ایسے شخص کو منتخب کیا ہے جو عملی طور پر ایسا کرے گا۔ خاص کر جوان طبقے میں یہ سوچ خاصی مضبوط تھی تاہم آہستہ آہستہ یہ سوچ مایوسی میں بدل گئی اور آج ہم دوبارہ بدول ہوچکے ہیں۔

اگرچہ Adbusters Media Foundation کے زیر سایہ چلنے والے Adbusters Magazine نے اس قسم کی تحریک کی تجویز دی تھی تاہم مظاہروں میں کوئی لیڈر شپ سامنے نہیں آئی۔ دوسرے گروپ جو اس تحریک میں شامل ہوئے ان میں نیویارک کی جنرل اسمبلی بھی شامل ہے۔ ان مظاہروں میں مختلف النوع سیاسی نظریاتی رکھنے والے لوگ ایک ساتھ شریک ہوئے۔ سی این این کی ایک رپورٹ کے مطابق مظاہرین اس لئے خوش قسمت ثابت ہوئے کہ زوکوٹی پارک نجی ملکیت ہے جسکے باعث مظاہرین کو قانونی طور پر بزور طاقت پولیس بے دخل نہیں کرسکتی دوسرے الفاظ سے مظاہرین کو بے دخل کرنیکا اختیار حاصل ہے ان مظاہروں سے قبل 17 ستمبر کو نیویارک کے میئر مائکل بلوم برگ نے پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ لوگوں کو مظاہروں کا حق ہے اور اگر لوگ احتجاج کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان کیلئے جگہ مخصوص کرکے خوشی ہوگی۔

اس احتجاج کو 1990ء کی دہائی میں اٹھنے والی اس تحریک سے بھی جوڑا جارہا ہے جو Corporate globalization کیخلاف ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کے سیٹل میں ہونے والے اجلاس کے موقع پر شروع کی گئی تھی۔ اب حالیہ تحریک کا ایک مقبول نعرہ یہ ہے کہ ہم 99 فیصد ہیں جبکہ منافع میں ایک فیصد افراد کا حصہ بڑھتا جارہا ہے۔

اس تحریک میں شرکت کرنے والوں کے مقاصد الگ الگ ہیں تاہم اس کے باوجود ان میں کوئی جھگڑا یا

اختلاف نہیں۔تحریک کے بنیادی محرک Adbuster کے مطابق کہ تحریک کا مرکزی مطالبہ یہ ہے کہ صدر اوبامہ ایک صدارتی کمیشن کا اعلان کریں جو واشنگٹن میں عوامی نمائندوں پر رقم کے ذریعے دباؤ ڈالنے کے ہتھکنڈوں کا خاتمہ کرے۔

اس تحریک میں شامل ایک سرگرم کارکن مائیکل مور نے تجویز دی ہے کہ یہ احتجاج عام مظاہروں کی طرح کا احتجاج نہیں ہے بلکہ اس احتجاج کے ذریعے مختلف قسم کے مطالبات سامنے آرہے ہیں جس میں بنیادی نقطہ یہ ہے کہ حکومت کی کرپشن اور بڑے مالیاتی اداروں کے کرتا دھرتاؤں کا امریکی قانون ساز اداروں پر اثرات کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ اس احتجاج میں شامل چند لوگوں کو یقین ہے کہ امریکی صدر ایک فیصد کی بجائے 99 فیصد افراد کیساتھ رہنمائی کیلئے کھڑے ہو جائیں گے۔

دو ہفتوں کے بعد ہی مظاہرین دو گروپوں میں بٹ گئے ایک گروپ کا خیال ہے کہ ایک ایسا ڈرافٹ تیار ہونا چاہیے جس میں امریکہ میں دولت کی منصفانہ تقسیم کی تجاویز ہوں۔دوسرے گروپ کا خیال ہے کہ احتجاج کی لہر جاری رکھی جائے تو حکومت خود آگے آکر ایسی تجاویز تیار کرے گی اس حوالے سے آن لائن بحث ومباحثہ بھی شروع ہو چکا ہے۔ احتجاج میں شریک ایک شخص نے خود سے چند مطالبات آن لائن دیئے تو انہیں مظاہرین کے مطالبات سمجھنے کی غلطی کر لی گئی اس تمام صورتحال کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابھی تک باضابطہ کوئی مطالبات سامنے نہیں آئے۔اس کیساتھ ساتھ احتجاج میں شریک افراد کو اس لئے بھی تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہے کہ ان کی تحریک کسی ایجنڈے سے محروم ہے نیویارک ٹائمز کی ایک رپورٹ میں اس تحریک پر تنقید کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ تحریک کے محرکین میں فیصلہ کرنے کی اہلیت نہیں ہے پروگرسیو مہم کی خواہش کو اگر آگہی میں تبدیل نہ کیا گیا تو اس تحریک میں شامل نوجوان طبقے کو مزید چیلنجز کیلئے تیار رہنا ہوگا۔روزگار طلبہ کے قرضوں کی ادائیگی ،ایسے رہنمائی اور تجاویز جن کے باعث رقم ختم ہو جانے کے باوجود تعلیم جاری رکھی جاسکے سامنے آنی چاہئیں۔اس کے جواب میں تحریک میں شامل ایک کارکن کا جواب بھی دلچسپی سے خالی نہیں ان کا کہنا ہے۔ ''کیا واقعی کوئی نہیں جانتا کہ ہمارے احتجاج کا مقصد کیا ہے ہم دنیا کو بتا رہے ہیں کہ وال سٹریٹ کرپشن اور معاشی جرائم کا ارتکاب کر رہی ہے جو حکومت کے فیصلوں پر بھی اثر ڈالتی ہے۔سرمایہ دارانہ نظام اور سیاسی اداروں کی ملکیت کا یہ اتحاد سارے امریکیوں کیلئے معاشی ضمانت کی صورتحال کو تباہ کر رہا ہے''۔

آٹھ اکتوبر کو نیویارک ٹائمز نے اس بحث پر اپنا مؤقف ایک اداریہ لکھ کر واضح کیا اخبار لکھتا ہے کہ ''یہ مظاہرین کا کام نہیں کہ وہ قانون سازی کیلئے کوئی ڈرافٹ تیار کریں یہ کام قومی رہنماؤں کا ہے اور اگر قومی رہنما یہ کام کر رہے ہیں تو پھر کسی ریلی یا احتجاج کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔جب اس سلسلے میں ایک اور امریکی اخبار واشنگٹن پوسٹ نے ایک احتجاجی کارکن سے انٹرویو کیا تو اخبار کا سوال یہی تھا کہ اس عالمی تحریک میں قیادت کے فقدان اور آئندہ کی حکمت عملی

کیلئے ہونے پر جو تنقید کی جارہی ہے اس سلسلے میں ان کی رائے کیا ہے تو کارکن کا جواب تھا" یہ پرانا طریقہ کار ہے کہ کسی انقلابی تحریک کیلئے ایک لیڈر کی ضرورت ہوتی ہے آج کل تحریک کو نئی نسل انٹرنیٹ پر چلاتی ہے جس میں ہر کوئی شرکت کر سکتا ہے اور یہ اس طرح سے ایک جادوئی عمل ہے جس میں لیڈر کی ضرورت نہیں ہوتی"۔ دوسری بات یہ کہ لیڈر کی ان لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے جو شعور نہیں رکھتے جنہیں اپنے مسائل کو حل کرنے کا شعور ہوتا ہے وہ اپنی رہنمائی خود کرتے ہیں ساری عمر ہماری طرح کسی ایک کونے سے بندھے نہیں رہتے۔

ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر لارنس لیزنگ نے ایک کنونشن بلا کے امریکی آئین میں ترامیم کی تجویز دی ہے ستمبر میں ایک کانفرنس اور اکتوبر میں اپنی کتاب Republic Lost How Money Corrupt Congress میں پروفیسر لارنس نے سیاسی جماعتوں اور الیکشن میں ہونے والی بے ضابطگیوں کی نشان دہی کی ہے۔ بقول ان کے ایسی ترامیم کی ضرورت ہے جن کے ہوتے ہوئے امریکہ کی شہریت نہ رکھنے والے افراد، ادارے اور گمنام تنظیمیں سیاسی مہم میں چندہ دے سکیں۔

نیویارک میگزین نے دو اکتوبر 2011ء کو ہونے والے مظاہرے میں شامل ایک سو افراد کا سروے کیا تو ان کے سامنے یہ سوال رکھا کہ سرمایہ دارانہ نظام کے بارے میں ان کے خیالات کیا ہیں؟ 46 افراد نے جواب دیا" بنیادی طور پر یہ شیطانی نظام ہے"۔ 37 افراد کی رائے تھی کہ سرمایہ دارانہ نظام کو بچانا نہیں چاہیے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آیا انہوں نے 2010ء کے وسط کی انتخابات میں اپنا حق رائے دہی استعمال کیا تو 39 افراد نے ہاں میں جواب دیا جبکہ 55 افراد نے بتایا کہ انہوں نے ووٹ کاسٹ نہیں کیا تھا۔ اوبامہ کے بارے میں 40 افراد کی رائے تھی کہ وہ صدر پر یقین کرتے ہیں مگر بددل ہو گئے ہیں۔ 22 افراد اوبامہ بہترین کام کر رہے ہیں جبکہ 27 افراد نے کہا کہ اوبامہ پر اعتماد کرنے کو تیار نہیں تھے۔ 13 اکتوبر کو ٹائم میگزین کے سروے میں یہ بات سامنے آئی کہ 54 فیصد امریکی اس تحریک کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں جبکہ صرف 23 فیصد افراد اس تحریک کو منفی انداز میں لے رہے ہیں اسی طرح وال سٹریٹ جرنل کے سروے میں 37 فیصد افراد احتجاج کو سپورٹ کرنے جبکہ 18 فیصد افراد نے مخالفت میں رائے دی۔

امریکہ میں ہونے والے اس احتجاج کو دیکھتے ہوئے یورپ بھر میں سرمایہ داروں کے خلاف لوگ سڑکوں پر نکل آئے اور سب نے یہ نعرہ اپنا لیا کہ ہم" 99 فیصد ہیں" دولت کمانے کے لالچ میں مبتلا بڑے بڑے اداروں کو چیلنج کر دیا گیا۔ اٹلی کے دارالحکومت روم میں تو اس احتجاج نے تشدد کی صورت بھی اختیار کر لی اور احتجاج کے دوران 70 سے زائد افراد زخمی ہو گئے۔ اب تک افریقہ، یورپ، ایشیاء اور آسٹریلیا میں 900 شہروں میں اس تحریک کے زیر اثر مظاہرے ہو چکے ہیں 30 مئی کو سپین کی ایک تنظیم نے عالمی سطح پر احتجاج کی کال دی تھی یہ تنظیم عرب عوام کی بیداری سے متاثر تھی۔ اس

کے بعد کینیڈا کے عوام بھی اس تحریک میں شامل ہو گئے۔ عالمی سطح پر معاشی بحران کی ذمہ داری بھی ان ممالک کے عوام نے ایک فیصد مراعات یافتہ طبقے پر ڈال دی۔ 17 ستمبر کو نیویارک سے شروع ہونے والی اس تحریک کے محرکین نے نو اکتوبر کو عالمی سطح پر احتجاج کا اعلان کیا اور اس کیلئے 15 اکتوبر کو دنیا کے 82 ممالک کے 951 شہروں میں لوگ سڑکوں پر نکل آئے۔ کینیڈا کے 20 شہروں میں 15 اکتوبر کو مظاہرے ہوئے۔ اسی روز برطانیہ کے بڑے شہروں میں بھی مظاہرے ہوئے خصوصاً لندن میں سٹاک ایکس چینج کے قریب مظاہرین نے ڈیرے جما لئے تھے۔ ان مظاہروں سے قبل ہی برطانوی پولیس نے حفظ ماتقدم کے طور پر حفاظتی انتظامات کر لئے تھے جس کے باعث کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ برطانیہ کے علاوہ اٹلی، ائرلینڈ، سپین اور دیگر یورپی ممالک میں بھی ایک فیصد مراعات یافتہ طبقے کو ہوشیار باش کہہ دیا گیا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف یورپ وامریکی عوام اپنے احتجاج میں کامیاب بھی ہو جائیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کے پاس اس نظام کے متبادل کے طور پر کونسا الہ دین کا چراغ ہے جس سے ان کے مسائل حل ہو جائیں گے۔ یوں لگتا ہے کہ معیار زندگی کے تمام لوازمات کی خواہش نے دیار مغرب کے رہنے والوں کو سڑکوں پر نکلنے پر مجبور کر دیا ہے دولت مندوں کے خلاف سڑکوں پر نکلنے والے ان لوگوں کو حکومت سے زیادہ سرمایہ دارانہ نظام سے شکایات ہیں، اب پھر وہی سوال اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ اس نظام میں 99 فیصد کی خواہشات پوری کرنے کی صلاحیت نہیں تو پھر یہ 99 فیصد لوگ کونسا متبادل سامنے لائینگے اس صورت میں اس سوال کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب سوشلزم بھی یورپی ممالک اور عوام نے دیس سے نکالا تھا۔

ہمارے ہاں کے جذباتی لوگ اسلامی نظام کو متبادل کے طور پر پیش کرنے لگے ہیں اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ اسلامی نظام مسائل کے حل کی طرف رہنمائی کرتا ہے مگر یورپ ہو یا امریکہ ہر دو براعظموں کے عوام کے سامنے بطور ماڈل کسی اسلامی ملک کی مثال نہ ہو تو انہیں اس پر قائل کرنا مشکل ہی لگتا ہے۔ یہاں یہ صورت حال المناک بھی لگتی ہے کہ ساٹھ سے زائد اسلامی ممالک میں کوئی ایک ملک بھی ایسا نہیں ہے جس نے عملی طور پر اسلامی نظام کو اپنا رکھا ہو اور اس کی برکتوں کے طفیل وہ دنیا کیلئے ایک مثال بن سکتا اس صورت میں یورپ وامریکہ کو اس نظام کی طرف راغب کیا جا سکتا تھا۔ اب اسلامی نظام کا نقارہ بجانے والوں کو اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیے پاکستان سمیت تمام اسلامی ممالک سود ہی نہیں سرمایہ دارانہ نظام کی غلاظت میں لتھڑے ہوئے ہیں۔ اس گندگی کے ہوتے ہوئے کون ہماری بات پر یقین کرے گا کہ دنیا کا بہترین نظام ہمارے پاس ہے۔